میر سید علی ہمدانی کی فارسی شاعری کا موضوعاتی جائزہ

ڈاکٹر اقصیٰ ساجد، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ فارسی، جی سی یونیورسٹی، لاہور

Abstract

Mir Syed Ali Hamadani was a renowned religious scholar, a Sufi, great reformer and an eminent Persian poet and writer of the 14th century. He made a vital contribution to the propagation of Islamic and Iranian culture and civilization in the Indo-Pakistan sub-continent. Spread of Islam in Kashmir is solely due to his efforts. He contributes a lot to promote Persian language and literature in this area. His poetry enjoys a lofty position from the subjective and artistic point of view. Its basic subject is mysticism. Religious and moral topics have also been dealt with in a beautiful way. In the article under review an objective evaluation of his Persian poetry has been made.

شاہِ ہمدان، علی ثانی، میر سید علی ہمدانی نہ صرف ایک عارف کامل، اہلِ علم و فضل، مصلحِ بزرگ، عظیم فلسفی بلکہ ایک پُر گو شاعر اور بلند پایہ مصنف بھی تھے۔ آپ کی پیدائش ۷۱۳ھ میں ھمدان میں ہوئی۔(ذبیح اللہ صفا، ۱۳۶۸ش، ص ۱۲۹۷)۔ بچپن ہی میں قرآن حفظ کیا۔ مروجہ علوم کی تحصیل کی۔ اپنے ماموں سید علاء الدین سمنانی سے تصوف کی تربیت حاصل کی۔ بے شمار اولیاء اکرام سے کسبِ فیض کیا۔ ۲۱ برس تک تین مرتبہ مختلف ممالک کی سیر کی۔(ظہور الدین احمد، ۱۹۶۴ء، ص ۴۰۱)۔ ۷۸۱ھ میں خطہ کشمیر تشریف لے گئے اور وہاں اسلامی اور ایرانی ثقافت اور تہذیب و تمدن کے فروغ میں نہایت اہم میں کردار ادا کیا۔(حسام الدین راشدی، ۱۳۴۶خ، ص ۹۰۰)۔ آپ نے ۷۸۶ھ میں وفات پائی اور ختلان میں دفن ہوئے۔(صفا، ۱۳۶۸ش، ۱۲۹۷)۔ میر سید علی ہمدانی کی بدولت کشمیر میں سلسلۂ کبُرویہ کو فروغ حاصل ہوا اور خانقاہی نظام رائج ہوا۔ اگر کہا جائے کہ خطۂ کشمیر میں اشاعت اسلام آپ ہی کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہے تو بے جا نہ ہوگا۔ فارسی ادب میں میر سید علی ہمدانی بطور مصنف اور شاعر ایک اعلیٰ مقام پر فائز ہیں۔

آپ کی فارسی شاعری کا جائزہ لیا جائے تو محض اکتالیس غزلیات اور چند متفرق اشعار آپ کا کل

شعری اثاثہ ہیں، مگر فنی اور فکری اعتبار سے ان کا تجزیہ کیا جائے تو ایک جہان معنی ان میں آباد ہے۔غزلیات کا بنیادی موضوع تصوف وعرفان ہے۔فارسی شاعری کے دو اہم اسالیب سبک خراسانی اور سبکِ عراقی کے پیرو ہیں۔سبکِ عراقی کے نمائندہ عرفانی شعراء سنائی، عطار، رومی اور عراقی کا رنگ آپ کی غزلیات پر غالب ہے۔آپ نے بہت سی غزلیات ان کی پیروی میں کہی ہیں۔

آپ کی شاعری میں دینی، عرفانی، عاشقانہ، رندانہ اور اخلاقی مضامین کی کثرت ہے یہاں فرداً فرداً ان کا مختصر جائزہ پیش کیا جاتا ہے:

دینی مضامین:

دین اور مذہب تصوف کے ساتھ یوں مخلوط ہیں جیسے جسم اور روح۔لہذا میر سید علی ہمدانی جیسے عارف کے ہاں خداشناسی، توحید و رسالت، قرآن و حدیث سے استفادہ، منقبت اہلِ بیت اور مدح مرشد کے بکثرت شواہد ملتے ہیں۔مثلاً توحید کے زمرے میں فرماتے ہیں کہ یہ اسلام کا بنیادی رکن ہے، توحید اور رسالت پر ایمان لائے بغیر دائرۂ اسلام میں داخل ہونا ناممکن ہے۔خدا کی جستجو اور محبت سے محروم دل کو رائیگاں سمجھتے ہیں:

نہ دیدہ بود کہ جستجویش نکند
نہ کام و زبان کہ گفتگویش نکند
ہر دل کہ در و مہرالھی نبود
گرپیش سگ افکنند بویش نکند

آپ توحید کو ایک سمندر کی مانند قرار دیتے ہیں کہ جس میں فنا ہو جانے والا دونوں جہان کے غموں سے آزاد ہو جاتا ہے، فرماتے ہیں:

اگر فانی شوی در بحر توحید
عیان بینی کہ آنجا کیف و کم نیست

منقبت حضرت علیؑ :

آلِ رسول سے محبت وعقیدت کے بغیر محبت رسول کا حق ادا نہیں ہوسکتا۔اگر علی اور آلِ بتول سے محبت نہ ہو تو رسولؐ سے شفاعت کی امید مت رکھو۔اگر تم خدا کی اطاعت کے تمام تقاضے پورے کرتے ہو تب بھی جان لو کہ علی سے محبت کے بغیر ان کی قبولیت ناممکن ہے:

گر مہر علی و آلِ بتولت نبود
امید شفاعت ز رسولت نبود
گر طاعت حق جملہ بر آوردی تو

بی مہر علی هیچ قبولت نبود

فرماتے ہیں: اگر تو روشن چاند ہے اور آسمان تیری منزل ہے اور اگر آبِ کوثر سے تیرا خمیر گوندھا گیا ہے تب بھی اگر علیؑ کی محبت تیرے دل میں نہیں تو تو بے فائدہ اور لا حاصل کوشش کر رہا ہے:

گر بدر منیری و سما منزل تو
وز کوثر اگر سرشته باشد گل تو
گر مهر علی نباشد اندر دلِ تو
مسکین تو و سعی بی حاصل تو

مدح مرشد:

''قربِ خداوندی کے حصول کے لیے ایسی ہستی کو وسیلہ بنایا جائے جو خدا کے نزدیک محبوب اور پسندیدہ ہو جس نے راہِ سلوک طے کیا ہو اور اس راستے کے نشیب و فراز سے واقف ہو اصطلاحِ تصوف میں اسے مرشد یا شیخ یا ھادی یا پیر کہتے ہیں جو خود شناسائے راہ ہو اور راہِ فقر کی منازل طے کرتا ہوا حریمِ قدس تک پہنچ چکا ہو۔''

سید علی ہمدانی کی نثر کی طرح اُن کی شاعری میں بھی مدح مرشد کا مضمون فراوان دکھائی دیتا ہے، آپ مرشد کے چہرۂ انور میں خدا کا نور دیکھتے ہیں اس کو خوش قسمت قرار دیتے ہیں جسے عید پر تیرے چاند جیسے چہرے کا دیدار نصیب ہوا:

ای شده نورِ خدا از مه روی تو پدید
خرم آنکس که درین عید مه روی تو دید

فلسفۂ عشق:

عشق تطہیر ذات ہے، تزکیہ نفس ہے اور کیف و سرور و مستی کی اس کیفیت کا نام ہے کہ جس کے سامنے عاشق کے لیے دونوں جہاں ہیچ ہیں۔ کائنات کا سارا حسن عشق ہی کا مرہون منت ہے۔ سید علی ہمدانی عشق کو ایسے درد کی مانند قرار دیتے ہیں جو ہر درمان میں اکسیر کا درجہ رکھتا ہے اور اسے جنت کے طعام سے بھی زیادہ خوش ذائقہ گردانتے ہیں:

دردِ عشقت که حمایت گر هر درمانست
خوش تراز مائده جنت ماوا بینند

فرماتے ہیں: غم عشق کے ہوتے ہوئے ظاہری لذتوں کا ذکر نہ کرو۔ غم عشق کو جنت کے ایک باغ سے تشبیہ دیتے ہیں کہ جس کی موجودگی میں پودے کا ذکر اضافی ہے:

با غم عشقش تو از لذات جسمانی مگو

باوجود روضۂ رضوان تواز گلخن مناز

ان کے نزدیک عشق تو بادشاہ ہے خوش نصیبی سے یہ تمہارا مہمان بنے تو اس کی خاطر داری میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھو۔ دل وجان سے اس کی خاطر داری کرو۔ عشق ایک آگ ہے اور علائی کی جان تنکا ہے۔ تنکا جب آگ میں فنا ہو جائے تو پھر اسے تنکا مت کہو یعنی وہ اس آگ ہی کا حصہ بن گیا:

عشق سلطانست چون مهمانت باشد نزل او

دیده و دل سازو جان شکرانه آر اندر میان

عشق جانان آتش و جان علایی خس بود

خس چودر آتش فنا شد دیگر او را خس مخوان

معشوق کی راہ میں نذرانہ جان پیش کرنا ہی دراصل سرمایہ حیات حاصل کرنا ہے اور ازل سے راہِ عشق میں یہی عاشقوں کا دستور رہا ہے:

نقد حیات خواهی جان کن فدای جانان

کاین است دررهِ عشق آئین مهربانان

سید علی ہمدانی عشق کو ایسی آگ سے تشبیہ دیتے ہیں کہ جسکو چھپانے کی لاکھ کوشش کی جائے مگر اس سے نکلنے والا دھواں اس کا سراغ خود بتا تا ہے۔ کہیں اسے ایسا دردِ دائمی قرار دیتے ہیں کہ جس کے درمان کی آرزو ہی بیکار ہے۔ اور ان کے نزدیک یہ ایسا زخم ہے کہ جس کا ہر طبیب کے علاج سے مندمل ہونا امکان ناپذیر ہے جس کا اندمال صرف اور صرف غمِ جاناں میں ہی پوشیدہ ہے:

تا چند داغ عشقش دارم نهفته در جان

پنهان چه دارم آتش چون دود نیست پنهان

چون نیست درد عشقش دارد و پذیر پس من

بیهوده چند پویم در آرزوی درمان

داروی درد این ریش از هر طبیب مندیش

کین را دوا نیابی جز درد و داغ جانان

فارسی شاعری کی روایت میں عقل وعشق کا موازنہ بہت اہمیت کا حامل ہے۔ بیشتر عرفانی شعرا مثلاً سنائی، عطار، مولانا روم اور پھر اقبال کے ہاں بھی اس روایت کا تسلسل پایا جاتا ہے۔ میر سید علی ہمدانی بھی عشق کو حاصل کائنات قرار دیتے ہوئے اسے عقل پر فوقیت دیتے ہیں۔ آپ کی شاعری میں عشق کی کیفیات، اس کی اہمیت اور افادیت پر عمدگی سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

مثلاً فرماتے ہیں کہ جو کوئی عقل کو رہنما بنا کر طالب بنا اسی میں تمام عمر گذار دی اور حاصل حیات کچھ بھی نہ ہوا اور جس نے اپنی ذات کو بھلا کر عشق کو رہبر بنایا ایک آن میں ہی رازِ حیات پا گیا:

آنکہ با عقل طلب کرد ھمہ عمر نیافت
و آنکہ بی خویش در آمدبہ یکی لحظہ رسید

رندانہ مضامین:

''رند'' سے مراد وہ عاشق حق تعالیٰ ہے جو اپنے غلبہ عشق میں ان رموز وحقائق کو، جن کا چھپانا عوام الناس سے ضروری ہے، اعلانیہ بیان کر دے۔ میر سید علی ہمدانی کے ہاں بھی رندانہ اشعار جا بجا دکھائی دیتے ہیں۔ مثلاً فرماتے ہیں: اگر جام وصل کا ایک قطرہ خواب میں حلق میں انڈیل لیا جائے تو مستی یا سرِ شاری کی وہ کیفیت حاصل ہوتی ہے جو تا قیامت خلل پذیر نہیں ہوسکتی۔ اگر کوئی خمار کی بجائے مستی کا طالب ہے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے نفس سے گوشہ گیری اختیار کر لے اور اگر ہمیشگی کی زندگی کا طالب ہے تو اسی شراب سے مدد لینی چاہیے، اگر خمار سے نجات چاہیے تو بادۂ غم نوش کرو۔ اگر محبوب کا قرب درکار ہے تو رندوں کے راستے پر چل۔ زاھد تو تمام عمر اس کیفیت کا مزا خواب میں بھی نہیں چکھ سکتے ہیں:

قطرہ ای از جام وصلش گر بکام جان رسد
تا قیامت مست افتد برندارد سرز خواب
بی خمار ار مستئ خواھی زھستی گوشہ گیر
ورحیاتِ جاودان خواھی طلب کن زان شراب
بادۂ غم نوش اگر خواھی رھایی زین خمار
راہ رندان گیر اگر جویی تو قرب آنجناب
روز بازاری کہ رندان راست ھردم درغمش
زاھد اندر عمر ھا ھرگز نبیند آن بخواب

مضامینِ تصوف وعرفان:

صفا و پاکیزگی کا وہ راستہ ہے جس پر چل کر سالک تزکیہ نفس سے لے کر حقیقت ومعرفت کے تمام درجات بخوبی طے کر لیتا ہے۔ وہ اپنے جذبِ دروں کے سفینے پر تشکیک کا سمندر پار کر جاتا ہے۔ سید علی ھمدانی کی فارسی شاعری میں تصوف وعرفان کو کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ آپ کی شاعری میں تصوف اور اس کے فکری وعملی مباحث مثلاً وحدت الشہود، صدق وصفا، مجاہدہ، عشق، اہمیت مرشد، دردوسوز، ھجر وفراق، وصال، حیرت، وحدت الوجود، فنا و بقاء اور رضا بکثرت ملتے ہیں۔ جو اسلام کی اصل روح کے ادراک میں بہت معاون ثابت

ہوتے ہیں۔ اس ضمن میں آپ کے کلام سے چند شواہد پیش کیے جاتے ہیں:

صدق وصفا:

تیرے دردوغم کے تقدس کی خبر بے بصیرت لوگوں کو کیا ہو گی۔ اس تحفے کی قدر تو وہی جانتا ہے جو اہلِ صفا ہو۔

از صفای غم توبی بصران راچہ خبر
قدر این تحفہ کسی داندکزاھل صفاست

محبوب کے لذتِ درد کی پاکیزگی کے سامنے تو جنت کی نعمتیں بھی بے معنی ہیں اس کے وصل کے محض خیال کے سامنے ہی تمام دنیا ایک سراب کی مانند ہے:

با صفای لذتِ دردش نعیم خلد هیچ
باخیال دولت و صلش همه عالم سراب

اہمیت وارزش مرشد:

اہمیت مرشد کے بارے میں اُن کا نکتۂ نظر ہے کہ: راہِ سلوک میں بنیادی چیز صدق وارادت ہے جو کوئی اس جذبے سے سرشار ہوکر تیری رکاب کے ساتھ دوڑا وہ خوش بختی کی وجہ سے دنیا میں سر بلند ہوگیا۔ از راہِ کرم علی کی طرف مہربانی کی ایک نگاہ پر تاثیر ڈال کیونکہ پیرومرشد کی نگاہ کے بغیر مرید کسی مقام پر نہیں پہنچ پاتا:

بہ خرابات فنا محو شود در لمعات
از می عشق تو يك جرعه هر آنكس كه چشيد

☆

شده از طالع فرخنده سرافراز جهان
آنكه از صدق وارادت بہ ركاب تو دويد
بہ علی يك نظر لطف كن ازراه كرم
كہ بہ جايی نرسد بی نظر پير، مريد

اس کے کوچے کی خاک سے پھوٹنے والی خوشبو جس کسی نے بھی سونگھی اس کے خوشبودار سانس ہمیشہ کے لیے مہک گئے۔ باطنی خوبصورتی نورمعرفت میں بدل گئی سالک کا صفائے باطن ہمیشہ دلکش ہوا کرتا ہے جس کسی نے اس کا چہرہ نہ دیکھا دونوں جہانوں میں نابینا ہو گیا اور جسے دیدارِ یار نصیب ہوا وہ ہمیشہ کے لیے بینا ہو گیا:

بويی ز خاك كويش بر جان هر كہ آمد

انفاس مشك بارش بويا بود هميشه
زيب جمال معنى چون نور معرفت شد
سير صفاى عارف زيبا بود هميشه
هر كو نديد رويش كور دو عالم آمد
وآنرا كه ديده واشد بينا بود هميشه

دردوسوز:

درد سے مراد عاشق کی وہ کیفیت ہے کہ غلبۂ شوق اس حد تک بڑھ جائے کہ برداشت سے باہر ہو۔اس حالت میں طالب پر بے قراری طاری رہتی ہے اور کسی شے میں سکون نہیں پاتا۔اس لیے عاشق کو درد مند بھی کہا جاتا ہے۔

دل نے دوست کی جفاؤں میں بھی لطف پایا کیونکہ دوست کی جفا بھی ایک تعلق ہے جو اربابِ وفا کے لیے خلعت کا درجہ رکھتی ہے:

لذت عمر دل از ضرب بلا هاى تو ديد
ز آنكه از دوست جفا خلعت ارباب وفاست

ایک مقام پر محبوب کی جانب سے موصول ہونے والے دردورنج کو باعث اعزاز اور خوش نصیبی تصور کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ سراپا وجود کو تیرے غم کے تیر کے سامنے ڈھال بنا لیا ہے تا کہ یہ اعزاز اور خوش نصیبی خوش اسلوبی سے موصول ہو:

جمله جانها سپر تير غمت ساخته ايم
تا گرامى رسداين دولت واين بخت كراست

ایک اور مقام پر اس دردوسوز کو زندگی بخش قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہر مردہ دل کی قسمت میں نہیں کہ وہ لذتِ درد کا مزا چکھے یہ دولت تو اس شخص کا نصیب ہے جو تیرے درد میں جی اٹھتا ہے۔ جو کوئی تیرے غم کی سلطنت کا مکین نہیں اسے کوئی عیش میسر نہیں ۔لایق رشک ہے وہ دل کہ جسے اس کوچے میں ٹھکانہ مل جائے:

لذت درد تو هر مرده دلى كى يابد
دولت آن يافت كه ازدردِ تو جانى يابد
هر كه در ملكِ غمت نيست ندارد عيشى
اى خوش آن دل كه درين كوى مكانى يابد

اس در پر طاعت اور زہد وریائی کی قدر نہیں یہاں تو سوز وگداز کے سوا کوئی تحفہ قبول نہیں کیا جاتا:

طاعت و زہد و ریایی رابرین درقدر نیست
تحفہ ئی آنجا نیارد کس بجز سوز و گداز

اگر تجھے راحت وسرور چاہیے تو اس کے دردِ عشق کا ہمراز بن جا اور اگر دولتِ سرمدی کی طلب ہے تو اس کے عشق میں جان کی بازی لگادے:

راحت ار خواهی بیا با درد او همراز شو
دولت ار جویی برو در عشق او جانباز شو

ہجر و فراق:

معشوق ومطلوب سے جدائی اور دوری کی کیفیت کا نام ہجر اور فراق ہے جسے سید علی ھمدانی اپنے اشعار میں بہت عمدگی سے بیان فرماتے ہیں: اسکی زلفوں کی خوشبو میں بسی ہوا کا گذر اگر عشاق کے کوچے سے ہوتو ہجر کی اس آگ میں جلنے والوں کو اس کی تپش میں بھی راحت ملتی ہے:

نسیمِ زلفش ار بر کوی مشتاقان گذر سازد
حریق نار هجران را ز آتش راحت افزاید

محبوب کے ہجر کی وجہ پہنچنے والے غم واندوہ میں بھی آسودگی اور مسرت ہے اس کی تو یاد بھی غم سے نجات کا باعث ہے اور روح پرور ہے اور روح کے لیے باعثِ کشادگی ہے:

زاند و هش بود شادی زیادش از غمِ آزادی
کہ اندوهش روان بخشد، بیادش روح آساید

ہجر ایک ایسی آگ ہے جو روح کی تمام آلائشوں کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے اور پاکیزگی اور صفائے باطنی کا مظہر بنتی ہے۔ وجود کی ظلمت / تاریکی اور آتشِ دوری کے درمیان فنا کے ذریعے ہی نسیم صبحِ وصال کا نظارہ ممکن ہے:

میان آتش شبهای هجر تا دم صبح
هزار روح صفا از دم صبا دیده
میان ظلمتِ امکان و آتش دوری
نسیم صبح وصال از رهِ فنا دیده

وصال:

اس کے جامِ وصل کا ایک قطرہ بھی اگر حلق میں انڈیل لیا جائے تو تا قیامت مستی کی کیفیت طاری رہتی ہے:

قطره ای از جام وصلش گر بکام جان رسد
تا قیامت مست افتد برندارد سرز خواب

وصال کی کیفیت کو بہت عمدگی سے ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایسے سمندر میں کشتی ڈال دی ہے کہ دونوں جہاں ہی اس میں غرق ہوگئے ہیں۔ نہ تو کشتی کو سمندر سے الگ کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی سمندر کو کشتی سے یعنی عاشق اور معشوق کی مثال کشتی اور سمندر کی سی ہے:

در محیطی فکنده ام زورق
که دو عالم دروست مستغرق
نه ز زورق توان شناخت محیط
نی محیط از وجود آن زورق

وحدت الشہود:

عاشقوں کو ہر شے میں تیرے چہرے کا عکس دکھائی دیتا ہے۔ تیرے بھید کی دیوانگی ہر سینے میں عیاں دیکھتے ہیں۔ تمام موجودات کو تیری ذات کا آئینہ سمجھتے ہیں اور مطلوبہ چہرہ اس آئینے میں آشکار دیکھتے ہیں:

عاشقان عکس رخت در همه اشیاء بینند
سرِ سود ای تو در سینه هویدا بینند
هرچه هست آن همه آئینۂ ذاتت دانند
روی مقصود در آن آینه پیدا بینند

جس نے ہر ورق پر تیرے حسن کے عکس کا نظارہ کیا وہ تو ایسے پانی میں غرق ہوگیا کہ ایک قطرہ بھی لطف اندوز ہوکر نہ چکھ سکا:

آن که بر هر ورقی عکس جمال تو بدید
غرق آبی ست که یك قطره بلذت نچشید

معرفت:

وہ سر جو باطن کے بھید سے آشنا ہوگیا اس کے لیے خوشی اور غمی برابر ہو جاتی ہیں:

سری کز سرِ معنی با خبر شد
درو گنجایشِ شادی و غم نیست

حیرت:

آفاق کا سفر طے کرنے سے کب یہ خوش بختی حاصل ہوتی ہے، اس کا سزاوار تو وہ ہے جو اپنی ذات کا سفر طے کرتا ہے، کوئی محض الفاظ کے ذریعے اس سے آگاہ نہیں ہوسکتا، کیونکہ سمندر میں جتنا بھی چلتے جائیں حیرت بڑھتی ہی جاتی ہے:

کسی از پیمودن آفاق این دولت شود حاصل
کسی را زیبد این معنی کش اندر خود سفر باشد
کسی از سیر این معنی بگفت و گو نشد آگه
که از پیمودن دریا تحیر بیشتر باشد

مجھ سے راستہ طلب مت کر کیونکہ میرا بخت میرے ساتھ نہیں، جو خود ہی حیران ہو وہ راہ کیا جانے:

ازمن مجوی راهی چون رام نیست بختم
کی راه داند آن کو کز خویش گشته حیران

نظریہ فنا و بقا:

راہِ سلوک پر گامزن ہونے کے لیے بنیادی شرط اخلاص، صمیمت اور ثابت قدمی ہے۔اس کے بغیر کوئی سالک ازل کے رازوں سے آشنائی حاصل نہیں کرسکتا۔وہ دل جس پر یہ بھید آشکار ہو جائے اس کے نزدیک یہ مادی دنیا اور اس کے لوازمات پر کاہ کے برابر بھی حیثیت نہیں رکھتے۔اس کے نزدیک منزل گہ مقصود ذاتِ خداوندی تک رسائی ہے۔اور یہ بھی امکان پذیر ہے جب وہ مادیت سے نکل کر روحانیت کے اس درجے پر فائز ہو جائے کہ جہاں ہست و نیست اس کے لیے بے معنی ہو جائیں اور تمام آلائشات مادی فنا ہو جائیں۔کیونکہ دن اور رات کبھی اکھٹے نہیں رہ سکتے۔جب قطرہ مکمل طور پر سمندر میں مدغم ہو جائے تو پھر اس کا وجود باقی نہیں رہتا وہ سمندر بن جاتا ہے اور بقائے دوام پا جاتا ہے:

درین ره هر که او ثابت قدم نیست
رهِ جانش به اسرار قدم نیست
دلی کز ملکِ معنی با خبر شد
درو اندیشهٔ شادی وغم نیست
به دریای فنا انداز خود را
که آنجا صورتِ لاو نعم نیست
ولی نابود تو شرط است اینجا

کہ ہرگز آفتاب و شب بھم نیست
چو قطرہ غرق دریا شد بکلی
ہمہ دریاست آنجا کیف و کم نیست

جب سے میں علی کی طرح ملک فنا کا بادشاہ بنا ہوں تب سے ہمت کے گھوڑے کو ملک بقا کی طرف دوڑا رہا ہوں:

تا شدم ہمچو علی پادشہ ملکِ فنا
اسب ہمت بہ سوی ملکِ بقامی رانم

اخلاقی مضامین:

پیر سید علی ہمدانی اخلاق و کردار کی عظمتوں کے امین ہیں۔ایک عظیم مبلغ ہونے کے ناتے تبلیغی عمل کے سلسلہ میں قائم کردہ بلند اخلاقی معیارات ہی اسے موثر بنانے میں معاون ثابت ہوئے اور اسلام خطۂ کشمیر میں رواج پذیر ہوا۔ان کی شاعری اس امر کا بین ثبوت ہے۔مثلاً مساوات، جودوسخا، علوھمت اور عالی حوصلگی کے مضامین ان کی فارسی شاعری میں جابجا بیان ہوئے ہیں۔مثلاً

علائی اگر تیرا دامن ہمت اتنا بلند ہے کہ تو اپنی ذات کو نظرانداز کر دے تو یقیناً تو ایسے جہان میں پہنچ جائے گا جہاں یہ ملالتیں اور نا آسودگیاں نہیں ہوں گی:

علایی دامن ہمت اگر از خود بیفشانی
رسی در عالمی کانجا نباشد این ملالتہا

اگر تجھ میں ہمت نہیں تو منزل مقصود تک پہنچنا ممکن نہیں۔محض ہمت کے ھما کو قصوروار نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔جب تک تیری ہمت وحوصلہ بلند نہیں تب تک تو کوچۂ جاناں میں ایک قدم بھی نہیں رکھ سکتا:

بہ جز ہمت نیابی راہ مقصود
ھمای ہمت آنجا مھم نیست
علی چون ہمت عالی نداری
ترا گامی بہ کویش لا جرم نیست

انسان کو اُس بلند پرواز باز سے تشبیہ دیتے ہیں جو مقصد کے جال میں گرفتار ہو گیا ہے، اُسے چاہیے کہ اس جال سے نکل جائے اور احسن طریقے سے بارگاہِ ابدی میں پیش ہو، اگر تو قربت کا ہما ہے تو ہمت کے پَر کھول اور فرشتوں کا ہم مرتبہ بن جا:

باز اوج کبریایی ماندہ اندر دام کام

دام و دانـــه بـــردر و خـــرم بـحضـرت بـاز شـو

گـر هـمـايـى قـاف قـربـى بـال همت بر گشـاى

در فـضـــاى لامـكـــان بـــا قـدسيـان انبـاز شـو

وسیع المشر بی:

کفر، اسلام، بدعت اور سنت محض فرقوں کے فرق سے ہے:

کـــفـــرو اســـلام و بـــدعـــت و ســـنـــت

اختـــلاف اســـــت درمیـــــــان فـــرق

ہمت عالی:

مقام و مرتبہ اور تاج وتخت اُسی کا نصیب ہے جو بلند ہمت ہے اور خطرہ مول لیتا ہے، فرماتے ہیں:

سـلامـت جـوى مـحرومـى ز ذوق منصب شاهى

سـريـرِ مـلك آن يـا بـد كـه عـزمـش پر خطر باشد

اختتامیہ:

میر سید علی ھمدانی کی فارسی شاعری کے تجزیے سے واضح ہوتا ہے کہ آپ کی شاعری معانی ومضامین کے اعتبار سے بہت ثروتمند ہے اور فنی اعتبار سے بہت زرخیز۔اگر یہ اس میں دینی، اخلاقی، عاشقانہ اور رندانہ اشعار فراوان ہیں مگر اسکا اصل جوھر تصوف وعرفان ہے۔تصوف کے اسرار ورموز سنائی، رومی اور عطار کی تقلید میں نہایت رواں اور سادہ انداز میں بہت عمدگی سے آشکار کرتے ہیں۔غزلیات میں موجود سوز وگداز و موسیقیت کی وجہ سے قاری پر وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ڈاکٹر ظہور الدین احمد آپ کی غزلیات کے بارے میں اپنی ناقدانہ رائے کا اظہار یوں فرماتے ہیں۔''ان غزلوں میں مسائل تصوف ہیں لیکن یہ مضامین ایک پیرومرشد نے شعر کی چاشنی سے بیان کیے ہیں اس لیے ان میں اثر وخلوص زیادہ ہے۔جو اشعار میں تشبیہ و استعارہ سے کام نہیں لیا ان میں بحر کا آھنگ ایسا ہے کہ مضمون تاثر کے ساتھ دین نشین ہوتا ہے، اکثر غزلوں میں اتنی نغمگی ہے کہ وہ محفل سماع میں پڑھی جائیں تو ارادت مندوں کو وجد میں لے آئیں اگرچہ بعض اشعار میں صنائع و بدائع سے کام نہیں لیا اس کے باوجود وہ پھیکے اور سپاٹ نہیں ہوئے''۔

''سید علی کو تذکرہ نگاروں نے شعرا میں شمار نہیں کیا، اس لئے خیال تو یہی ہوتا ہے کہ ان سے محاسن شعری کی توقع نہیں رکھنی چاہیے لیکن ان کی غزلوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شاعری کی تلمیحات و مصطلحات سے آشنا ہیں اور ان کو سلیقے سے استعمال کرتے ہیں۔

معروف ایرانی محقق ڈاکٹر محمد حسین تسبیحی سید علی ہمدانی کی خدمت میں یوں خراج تحسین پیش کرتے ہیں:

ای امیـــــر کشــــورِ شـــعــــر و ادب
هــر کتــابــت از مــحبــت تــرجــمــان
دُرِّ نــــاســـفتـــه بــود الــفـــاظ تــو
در چهــل اســـرار تـــو پــنهـــان جـــان
شــعـــر نـــابــت داروی دلهـــا بـــود
در ســخــن گــویـی تــویـی فــارسـی زبـان
کـــل آثـــارت بـــود قـــانـــون عشـــق
کـــاروانِ عـــاشـــقـــان را ســـار بـــان
عـــلـــمَ اخـــلاق و کـــلامـــت نـــورِ دل
نـــور رحـــمـــانـــی در آثـــارت عیـــان

اے شعر و ادب کی سلطنت کے بادشاہ! تیری ہر کتاب محبت کی ترجمان ہے۔ تیرے الفاظ ایسے قیمتی موتی ہیں جو ابھی تک پروئے نہیں گئے۔ تیرے ''چہل اسرار'' میں اصل روح پوشیدہ ہے۔ تیرے شعر ناب دلوں کے لیے درمان ہیں۔ تیرے کلام کی زبان فارسی ہے۔ تیری تمام تصنیفات قانون عشق کے بارے میں ہیں۔ تو عاشقوں کے کارواں کا سالار ہے۔ تیرا کلام اور علم اخلاق دلوں کے لیے نور ہے۔ خدا کا نور تیری تصانیف سے عیاں ہے۔

آپ کے کلام میں بیان شدہ تصوف کی اصطلاحات کے عملی پہلوؤں پر عمل درآمد کی ضرورت ہے تا کہ ہم مثبت سوچ رکھنے والا ایک امن پسند اور فعال معاشرہ تشکیل دے سکیں۔

حواشی:

۱۔ علی ہمدانی/تسبیحی، ۱۹۹۳ء، ص ۶۸: محمد ریاض، ۱۹۸۵ء، ص ۴۸۱

۲۔ ایضاً، ص ۲۸: ایضاً، ص ۴۵۰

۳۔ ایضاً، ص ۶۹: ایضاً، ص ۴۸۱

۴۔ ایضاً، ص ۶۸: ایضاً، ص ۴۸۲

۵۔ نجیب الرحمٰن، ۲۰۱۲ء، ص ۲۳۵

۶۔ ایضاً، ص ۴۳: ایضاً، ص ۴۶۶

۷۔ ایضاً، ص ۳۸: ایضاً، ص ۴۵۸

۸۔ ایضاً، ص۴۵: ایضاً، ص۴۶۳
۹۔ ایضاً، ص۵۱: ایضاً، ص۴۶۹
۱۰۔ ایضاً، ص۵۰: ایضاً، ص۴۶۹
۱۱۔ ایضاً، ص۵۲: ایضاً، ص۴۷۰
۱۲۔ ایضاً، ص۴۳: ایضاً، ص۴۶۲
۱۳۔ ایضاً، ص۲۴: ایضاً، ص۴۴۶
۱۴۔ ایضاً، ص۲۵: ایضاً، ص۴۴۷
۱۵۔ ایضاً، ص۲۴: ایضاً، ص۴۴۶
۱۶۔ ایضاً، ص۴۳: ایضاً، ص۴۶۲
۱۷۔ ایضاً، ص۴۳: ایضاً، ص۴۶۲
۱۸۔ ایضاً، ص۵۵: ایضاً، ص۴۷۳
۱۹۔ محمد نجیب الرحمٰن، ۲۰۱۲ء، ص۸۶۰
۲۰۔ محمد ریاض، ایضاً، ص۴۴۷
۲۱۔ علی ہمدانی/تسبیجی، ۱۹۹۳ء، ص۲۵: محمد ریاض، ۱۹۸۵ء، ص ۴۴۷
۲۲۔ ایضاً، ص۲۹: ایضاً، ص۴۵۱
۲۳۔ ایضاً، ص۴۵: ایضاً، ص۴۶۴
۲۴۔ ایضاً، ص۵۳: ایضاً، ص۴۷۱
۲۵۔ ایضاً، ص۴۱: ایضاً، ص۴۶۱
۲۶۔ محمد ریاض، ایضاً، ص۴۶۱
۲۷۔ علی ہمدانی/تسبیجی، ۱۹۹۳ء، ص۵۴: محمد ریاض، ۱۹۸۵ء، ص۴۸۲
۲۸۔ ایضاً، ص۲۴: ایضاً، ص۴۴۶
۲۹۔ ایضاً، ص۴۶: ایضاً، ص۴۶۵
۳۰۔ ایضاً، ص۳۸: ایضاً، ص۴۵۸
۳۱۔ محمد ریاض، ایضاً، ص۴۶۰
۳۲۔ محمد ریاض، ایضاً، ص۴۴۹
۳۳۔ علی ہمدانی/تسبیجی، ایضاً، ص۳۰
۳۴۔ علی ہمدانی/تسبیجی، ۱۹۹۳ء، ص۵۲: محمد ریاض، ۱۹۸۵ء، ص۴۷۰

۳۵۔ ایضاً، ص ۲۷: ایضاً، ص ۴۴۹

۳۶۔ ایضاً، ص ۴۹: ایضاً، ص ۴۶۸

۳۷۔ ایضاً، ص ۲۳: ایضاً، ص ۴۴۵

۳۸۔ ایضاً، ص ۲۸: ایضاً، ص ۴۵۰

۳۹۔ ایضاً، ص ۵۳: ایضاً، ص ۴۷۱

۴۰۔ علی ہمدانی/تسبیحی، ایضاً، ص ۴۶

۴۱۔ علی ہمدانی/تسبیحی، ۱۹۹۳ء، ص ۳۰: محمد ریاض، ۱۹۸۵ء، ص ۴۵۲

۴۲۔ ڈاکٹر ظہور الدین احمد، ۱۹۶۴ء، ص ۴۲۶۔۴۲۷

۴۳۔ ڈاکٹر ظہور الدین احمد، ۱۹۶۴ء، ص ۴۲۷

۴۴۔ علی ہمدانی/تسبیحی، ایضاً، ص ۱۵-۱۶

مآخذ:

۱۔ الرحمٰن، محمد نجیب، ۲۰۱۲ء، شمس الفقراء، سلطان الفقر پبلی کیشنز، لاہور۔

۲۔ راشدی، حسام الدین، ۱۳۶۸خ، تذکرہ شعرای کشمیر۔

۳۔ صفا، دکتر ذبیح اللہ، ۱۳۶۸ش، تاریخ ادبیات در ایران، جلد ۳، بخش ۲، انتشارات فردوسی، تہران۔

۴۔ ظہور الدین احمد، ڈاکٹر، ۱۹۶۴ء، پاکستان میں فارسی ادب، جلد ۱، یونیورسٹی بک ایجنسی، لاہور۔

۵۔ علی ہمدانی، میر سید، ۱۹۹۳ء، ہمدانی نامہ و چہل اسرار، بہ کوشش دکتر محمد حسین تسبیحی (رھا)، کتابخانہ گنج بخش مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد، پاکستان۔

۶۔ محمد ریاض، ڈاکٹر، ۱۹۸۵ء، احوال و آثار و اشعار میر سید علی ہمدانی، (با شش رسالہ از وی) مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، لاہور، پاکستان۔

☆☆☆